Al-Hikmat

Volume 31 (2011) p.p. 39-50

اقبال اور تصوف

سحرین فر بخاری

لیکچرر، شعبہ فلسفہ، جامعہ پنجاب، لاہور، پاکستان

خلاصہ

تصوف کے بارے میں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غیر اسلامی تصور ہے جو عجمی روایات کے زیر اثر اسلامی تعلیمات میں در آیا ہے۔ تصوف دراصل، بندہ کی خالق سے ممکنہ اتصال کی سعی ہے۔ اس کے اثرات کئی دیگر مذاہب میں بھی ملتے ہیں تاہم اسلام میں تصوف کو خاص طور پر عجمی تصور سے ممتاز کرنے کے لئے راہبانیت، ترک الدنیا و معاملات حیات سے دور رہنے کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسلامی تصوف سے متعلق مسلمان رسول اللہ کے اسوہ حسنہ کو خاص کر جبکہ برگزیدہ بندوں اور اولیاء حضرات کے کردار کو عمومی طور پر تقلید کا نمونہ بناتے ہیں۔ بنیادی انسانی اقدار کی ترویج کے ساتھ اسلام کے ان لوازمات کو ہمراہ لے کر چلتے ہیں جن کا تعلق صحیح طور پر مسلمان ہونے کے ساتھ ہے۔ اقبال اسلامی و عجمی تصور میں فرق کرتے ہوئے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ تصوف کے کلی تصور خلاف ہیں۔ وہ واضح کرتے ہیں کہ جس قسم کے تصور کے وہ حامی ہیں، اسکا ماخذ سراسر اسلامی تعلیمات ہیں

علامہ اقبال نے برصغیر پاک و ہند کے سیاسی حالات کے عمیق مطالعہ اور تاریخ مدن اسلام کے جائزہ سے یہ نتیجہ نکالا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی پستی اور استحصال کی وجہ سے غیر اسلامی عناصر ہیں جو غیر محسوس طریقہ سے مسلمانوں کی فکر اور طرز عمل میں سرایت کر گئے ہیں۔ اقبال کے نزدیک کامیاب زندگی حرکت سے عاری نہیں ہوسکتی لہذا بے عمل انسان اسلامی تصوف کا حصہ ہونے کا دعوی نہیں کرسکتا۔ اقبال بہترین زندگی گزارنے کے لئے تقلید اسوہ اور پیروی احکامات قرآن کو بنیاد بناتے ہیں۔ اقبال اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ انہیں تصوف اسلامی پر کوئی اعتراض ہے، وہ تو اسے نہایت عمدہ چیز سمجھتے ہیں لیکن جب عجمی اثرات تصوف اسلامی پہ غالب آنا شروع ہو جائیں تو اقبال فوراً ان کو روح اسلامی سے پرے کر دینے کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ اقبال اسلام کو اغیار کے اثرات سے پاک رکھنا چاہتے ہیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ مسلمان وطنیت، رنگ نسل اور فرقہ پابندیوں کو توڑ کر خود کو صرف اور صرف اُمت محمدیؐ کے طور پر پیش کریں۔ وہ صوفی کو ایک ایسا انسان سمجھتے ہیں، جو

باعمل، سخت کوشش اور بلند ہمت ہوتا ہے، اقبال دنیا داری چھوڑ کر جنگل جنگل بھٹکنے کو اسلام کے خلاف قرار دیتے ہیں۔وہ ان صوفیہ سے گہری عقیدت رکھتے ہیں جنہوں نے دین اور دنیا دونوں ذمہ داریوں کو بطریق احسن نبھایا۔وہ اس حقیقت کا اثبات کرتے ہیں کہ خالق کے ساتھ اتصال کی خواہش کی بنیاد اسلام میں موجود ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے غیر اسلامی عناصر سے محفوظ رکھا جائے۔

عابد کا رشتہ اس بات کا متقاضی ہے کہ عابد اپنے معبود کو ہر شے سے بڑھ کر جانے، اس کے ہر فعل میں اپنے رب کی خوشنودی، رضا اور معرفت کا مقصد پنہاں ہو، اس سلسلہ میں وہ ہر قسم کی ذاتی غرض، مفاد اور حرص و ہوس کو بالائے طاق رکھ کر صرف اور صرف اپنے رب کی جستجو کرتا ہے۔الہامی مذاہب میں وحی اور سنت کی صورت میں بندہ کو خدا تک پہنچنے کا گویا ایک سہارا مل جاتا ہے۔لیکن یہ نکتہ غور طلب ہے کہ تمام مذاہب خواہ وہ الہامی ہوں یا غیر الہامی ایک ہی انداز میں معرفت خداوندی کی تعلیم نہیں دیتے۔عقل و حواس کی بحث، ظاہر و باطن کا فرق اور جسم و مادہ کی تفریق ان مذاہب میں اس مقصد کے لئے، عجیب و غریب ڈھنگ اختیار کر لیتی ہے۔ابدی صداقتوں کے حصول کے لئے مادی دنیا کے لوازمات کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے، نفی ذات، حیاتیاتی تقاضوں سے انکار اور آرام و آسائش کا ترک کیے جانا بنیادی شرائط قرار پاتی ہیں۔دراصل اس کے در پردہ حکمت یہ ہے کہ جسم چونکہ مادہ سے متعلق ہے۔لہٰذا اسے ادنیٰ حیثیت دی جاتی ہے اور چونکہ بنیادی تمام تر جبلتیں، احتیاجات، خواہشات اور میلانات جسم سے تعلق رکھتے ہیں، لہٰذا ان کی نفی کو قابل تحسین جانا جاتا ہے جبکہ روح غیر مادی قرار پانے کی وجہ سے اعلیٰ خیال کی جاتی ہے اور روح کو پاکیزہ اور منزہ رکھنے کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مادی آرائشوں سے اسے پرے رکھا جائے تاکہ ازلی و ابدی صداقتوں تک رسائی ممکن ہو سکے۔اسی قسم کے رُجحانات آرفیسی نظام، فیثاغورثی دبستان اور نوفلاطونیت میں بھی نظر آتے ہیں لہٰذا جو بات حاصل بحث کے طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ایسے نظام فکر میں دین و دنیا یا جسم و روح کو الگ الگ مقامات پہ رکھنے کی تعلیم دکھائی دیتی ہے اس لیے یہ سمجھا جاتا ہے کہ دنیا داری نبھاتے ہوئے حقیقت و مطلقہ کا علم حاصل نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیا داری مادی آلائشوں سے خود کو دور رکھ کر نہیں نبھائی جا سکتی۔تصوف کے متعلق عموماً یہی خیال کیا جاتا ہے کہ یہ حقیقت اولی کے ساتھ اتصال یا اس کے علم کی کوشش کا نام ہے۔

اس مقام پہ ضروری ہے کہ تصوف اور مذہب کو خلط ملط نہ کیا جائے کیونکہ تصوف کی جو بھی تشریح کی جائے اسے مذہب کی اساس کسی طور قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ مذہب فرد کی داخلی و خارجی، انفرادی و اجتماعی زندگی پہ اپنی توجہ مرکوز کرتا ہے جب کہ تصوف صرف انسان کی زندگی کے جذباتی اور داخلی پہلو کو اپنے احاطہ کرتا ہے۔

''عام طور پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مذہب میں تصوف کا کم یا زیادہ عنصر ہے تو درحقیقت یہ سوال ہی صحیح نہیں، ہر مذہب میں چونکہ زندگی کے جذباتی داعیات کی تسکین کا سامان موجود ہے اس لئے بظاہر نظر یہی آتا ہے کہ اس میں تصوف کے عناصر کارفرما ہیں۔ حقیقت اس کے برعکس ہے، کوئی مذہب تصوف سے متاثر نہیں کیونکہ تصوف تاریخی طور پر بعد کی پیداوار ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تصوف، مذاہب کے محض جذباتی عناصر کو ایک علیحدہ اور منفرد شکل دینے کی کوشش کا نام ہے۔'' (۱)

اسلام ایسا ہی مذہب ہے جو اپنے ماننے والوں کو زندگی احسن طریقہ سے گزارنے کا سامان مہیا کرتا ہے۔ دیگر الہامی مذاہب کی طرح اسلام بھی خالق کی طرف رجوع کرنے اور معرفت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے تاہم اسلام میں بدھ مت، عیسائیت، یا ہندو مت کی طرح ترک دنیا یا رہبانیت کی تعلیم نہیں ملتی بلکہ اس بات کو ناپسندیدہ جانا جاتا ہے کہ خدا کی عطا کردہ نعمتوں کا انکار کرکے، حقوق فرائض کو نظر انداز کیا جائے۔ طلوع اسلام کی تاریخ میں ''تصوف'' کی اصلاح کو موجودگی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا نہ ہی کہیں صوفی کے لفظ کا استعمال نظر آتا ہے۔ لیکن یہ بات بھی اتنی ہی درست ہے کہ مسلمانوں کے ہاں 'تصوف'' نے کئی برسوں سے جگہ بنائی ہوئی ہے۔ تصوف کو عموماً ایک ایسے نظریہ کی حیثیت حاصل ہے جو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ شریعت کو اس طرح سے اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا جائے کہ عاشق و معشوق ایک قالب میں ڈھل جائیں۔ دل میں خدا کی محبت بھری ہو تو ہی معرفت ممکن ہو سکے گی۔ اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے تمام تر افعال و اعمال کا مقصد صرف اور صرف القال خدا کو سمجھا جاتا ہے لہذا صوفی وہ شخص ہے جو معرفت و محبت سے لبریز ہوتا ہے اور اس کا فعل اپنی کیفیات کا آئینہ دار ہوتا ہے اس مقام پہ یہ نکتہ ذہن نشین ہونا چاہیے کہ تصوف کی روح سراسر اسلامی بھی ہو سکتی ہے اور غیر اسلامی بھی مسلمانوں کے ہاں تصوف کے حوالہ سے خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں۔

''جس طرح نبی کریم کی تلقین و تعلیم اور نزول قرآن سے قبل بھی دنیا میں اسلام موجود تھا، اسی طرح وہ چیز بھی جا بجا مختلف رنگوں میں موجود تھی جسے تصوف کہتے ہیں۔ لیکن جس طرح توحید کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ مشرکانہ عناصر جمع ہو گئے تھے اور اسلام کو پھر نئے سرے سے توحید کو منزہ اور پاکیزہ بنانا پڑا۔ اسی طرح قرآن کی تعلیم نے ان عناصر کا بھی جائزہ لیا جو تصوف کے رنگ میں بدھ مت، عیسائیت اور فلاطینوس کی جدید فلاطونیت میں پائے جاتے تھے۔'' (۲)

اقبال نے جب مسلمانوں کی زندگی ،نظریات اور مذہب کا مطالعہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ مسلمانوں کے ہاں غیر اسلامی فکر کے عناصر کے زیر اثر دنیا اور حقوق وفرائض کے بارے میں سلبی رویہ، جبر کے مسلک کا اختیار کرنا اور نفی ذات سرایت کر گیا ہے اور ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں'' کی بجائے ''اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں'' کلمہ کی حیثیت اختیار کر گیا ہے ۔اقبال دراصل اس تصوف کے خلاف ہیں جو بے عملی اور جمود کی کیفیات پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے ۔اقبال کے نزدیک مسلمانوں کے ہاں یہ کیفیات وحدت الوجود کو اختیار کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں ۔اقبال وحدت الوجود کو عجمی پیداوار سمجھتے ہیں ۔واضح رہے کہ عجمی تصوف میں وحدت الوجود کو امتیازی مقام حاصل رہا ہے ۔فلاطینوس ، ہندومت وغیرہ میں وحدت الوجود پہ مبنی تعلیمات نظر آتی ہیں ۔ جہاں کائنات کو حقیقت اولی کے اظہار یا مظہر ہونے کے حوالہ سے بیان کیا گیا ہے ۔مسلمانوں میں ابن عربی کے تنزلات ستہ اسی نظریہ پہ مبنی ہیں کہ خدا کائنات ہے اور کائنات خدا ہے نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ ۔اقبال اگرچہ اپنی شعوری زندگی کے آغاز میں وحدت الوجود نظریہ سے بہت متاثر تھے تاہم جوں جوں وہ تاریخ اسلام سے واقف ہوتے گئے ان پہ اس حقیقت کے در کھلتے گئے کہ مسلمانوں کے زوال کا باعث دراصل وحدت الوجودی تعلیمات ہیں جن کی وجہ سے مسلمان اپنی انفرادی و اجتماعی خودی کا انکار کر کے اپنی خودی کھو بیٹھے ہیں ۔اقبال لکھتے ہیں:

> ''مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصہ تک ایسے عقائد ومسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیا کے ساتھ خاص ہیں اور بعد میں قرآن شریف پر تدبر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے ۔مثلاً وحدت شیخ محی الدین ابن عربی کا مسئلہ قدم ارواح کملا۔مثلاً وحدت الوجود یا مسئلہ تنزلات ستہ یا دیگر مسائل جن میں بعض کا ذکر عبدالکریم نے اپنی کتاب انسان کامل میں کیا ہے۔''(۳)

اقبال دراصل تصوف میں سے غیر اسلامی عناصر الگ کر دینا چاہتے ہیں یعنی اقبال تصوف کے مخالف نہیں ہیں بلکہ تصوف کے اس پہلو کو خلاف ہیں جو سراسر غیر اسلامی ہے جب کہ وہ پہلو جو عملی زندگی ،اخلاقیات اور دنیا داری کو ساتھ لیکر چلتا ہے ۔اقبال کے ہاں اس کے لئے پسندیدگی کی واضح جھلک نظر آتی ہے ۔خلیفہ عبدالحکیم کے خیال میں اقبال کے تصوف کے مخالف یا موافق ہونے کی بحث دراصل اس وقت شروع ہوئی جب انہوں نے بڑی بے باکی سے اسرار خودی کے پہلے ایڈیشن میں حافظ شیرازی کے متعلق اشعار لکھے جن میں حافظ شیرازی کے نظریہ حیات کو بڑی شدت سے تنقید کا نشانہ بنایا۔

> ''حافظ کے متعلق میرا عقیدہ ہے کہ ان کی شاعری نے مسلمانوں کے انحطاط میں بطور ایک عنصر کا کام کیا ہے۔'' (۴)

چونکہ مسلمانوں کے ہاں حافظ کی حیثیت ایک قابل قدر صوفی کی ہے اس لئے حافظ کے نظریات کو ہدف تنقید بنایا جانا بڑی عجیب سی بات تھی۔ اگر چہ اقبال بذات خود حافظ شیرازی کے بہت بڑے مداح تھے یہاں تک کہ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کے مطابق اقبال کی کئی غزلیں ایسی ہیں جو حافظ کے رنگ میں کہی گئی ہیں اور انہیں اگر حافظ کے دیوان میں شامل کرلیا جائے تو یہ فرق کرنا مشکل ہو جائے کہ اقبال کا کلام کون سا ہے اور حافظ کا کلام کونسا ہے۔ حافظ کے خلاف اقبال کا احتجاج دراصل حافظ کے ہاں عجمی تصوف کے ہلاکت انگیز عناصر کی موجودگی کے خلاف احتجاج تھا۔

> ''مختصراً یہ کہ وہ (حافظ) ایک ایسی کیفیت کو محبوب بتاتے ہیں جو اغراض زندگی کے منافی بلکہ زندگی کے لئے مضر ہے جو حالت خواجہ حافظ اپنے پڑھنے والے کے دل میں پیدا کرنا چاہتے ہیں (یعنی بحیثیت صوفی ہونے کے) وہ حالت افراد و اقوام کے لئے جو اس زمان و مکان کی دنیا میں رہتے ہیں نہایت ہی خطرناک ہے۔'' (۵)

اقبال رومی کی طرح ''خودی'' کے اثبات کا پرچار کرنے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ تصوف کی اس شکل کو رد کرتے ہیں جس میں دنیا اور دنیا داری چھوڑ دینے، فنا کا راستہ اختیار کرنے اور زندگی کے جبلی پہلوؤں سے احتراز کرنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔ اقبال کے نزدیک اس قسم کے تصوف میں خودی و بے خودی کی کوئی جگہ نہیں ہے جبکہ اقبال کے ہاں خودی اور بے خودی کو کلیدی مقام حاصل ہے۔

> ''اس تصوف کا اسلام کے عقائد اور عربی روح دینی سے کوئی علاقہ نہیں اور اس کا بنیادی ستم یہ ہے کہ ''خودی'' کو تباہ کرتا ہے حالانکہ خودی ہی ایک ایسی چیز ہے جو افراد اقوام کی زندگی کی ضامن اور انسان کی بلند ترین مادی و روحانی مدارج پہ پہنچانے کی کفیل ہے۔'' (۶)

اقبال معرفت خدا کے لئے فنا کا راستہ اختیار کرنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ اسلامی تعلیمات کے عین مطابق اپنے نفس کی معرفت سے معرفت خدا کی ہدایت کرتے ہیں۔ یہاں اس بات کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ اقبال کے والد صوفی منش تھے اور اقبال نے سلسلہ قادریہ سے بیعت لینے کے بارے میں بھی بتایا ہے لہذا یہ کہنا درست

نہ ہوگا کہ اقبال صوفیہ سے کوئی عناد رکھتے تھے۔ دراصل وہ ان صوفیہ کے خلاف ہیں جو وحدت الوجود نظریہ کا پرچار کرتے ہیں اور خودی کو وحدت میں فنا کر دینا چاہتے ہیں جبکہ اقبال اس رویہ کے برعکس خودی کو الگ حیثیت سے برقرار رکھ کر ''حیات جاودانی'' حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

منظور احمد وحدت الوجود فکر اور اقبال کے فلسفہ کا باہم تقابلی جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں:

۱) فلسفہ وحدت الوجود حقیقت کا ایک تکمیل شدہ تصور پیش کرتا ہے جبکہ اقبال میں یہ کائنات ابھی تکمیل کا مراحل سے گزر رہی ہے۔

۲) فلسفہ وحدت الوجود جیسا کہ نام سے ظاہر کہ ایک فلسفہ وحدت ہے جبکہ ایک اقبال کا نقطہ نظر کثرت کا ہے۔

۳) فلسفہ وحدت الوجود میں انسانی ارادہ کی آزادی کی کوئی حقیقت نہیں ہے، اس کے برخلاف اقبال انا حقیقی آزادی کو تسلیم کرتے ہیں۔ (۷)

اقبال کو ان صوفیہ کے ساتھ ہمیشہ گہری عقیدت رہی جنہوں نے کبھی ترک دنیا کی تعلیم نہیں دی نہ ہی خود رہبانیت کو اختیار کیا، ہمیشہ لوگوں کے اندر رہ کر ان کی تربیت کا اہتمام کیا۔ ان جید صوفیہ نے شادیاں بھی کیں۔ اپنے بچوں کی تربیت بھی کی، گھریلو زندگی، سیاست، عدل و انصاف کے معاملات میں اپنا کردار ادا کیا۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں لیکن کبھی اپنے فرائض سے منہ موڑنے کی کوشش نہیں کی۔ اقبال کو ان صوفی کی خدمات کا ہمیشہ اعتراف رہا۔ اس کا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ انہوں نے حضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ، حضرت سید گل حسن شاہ قلندر سجادہ نشین و خلیفہ اعظم حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی سے ملاقاتیں بھی کیں۔ علاوہ ازیں انگلستان جاتے وقت دہلی رک کر خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مزار پہ حاضری دیتے ہوئے اپنی ایک نظم ''التجائے مسافر'' سوز و الحان سے پڑھی

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا

بڑی جناب تیری ، فیض عام ہے تیرا(۸)

اقبال کے مطابق رہبانیت دنیا کی ہر مستعد قوم میں اس کے عملی زوال کے وقت پیدا ہوئی ہے۔ اس کا مٹانا ممکن ہے کہ بعض رہبانیت پسند طبائع ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ اپنے دین کی حفاظت کریں اور اس کو رہبانیت کے زہریلے اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کریں۔ (۹)

اقبال زندگی کے ہر معاملہ میں قرآن وسنت کو مقدم رکھنے کی ہدایت کرتے ہیں ان کے نزدیک بہترین مثال رسولؐ خدا کی ذات مبارکہ ہے کہ لہذا وہ رسول اللہ کی پیروی کو بہترین طرز حیات سمجھتے ہیں اور اسباب دنیا کے ترک کرنے کو جہالت قرار دیتے ہیں۔اقبال لکھتے ہیں:

''میرا مذہب یہ کہ اسلام نے دین و دنیا کے فرائض کو یکجا کیا اور اس طرح بنی نوع کے لئے ایک معتدل راہ قائم کی ہے۔ جہاں یہ سکھایا ہے کہ تمہارا مقصود اصلی اعلائے کلمتہ اللہ ہے، وہاں یہ بھی تعلیم دی ہے کہ لاتنس نصیبک فی الدنیا (یعنی دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر) ''دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ'' اسلام کی تعلیم نہیں۔ بلکہ صحیح اسلامی تعلیم یہ ہے کہ شرح عقائد میں چند الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ترک الاسباب جہالت، یعنی اسباب دنیا کا ترک کرنا جہالت ہے۔ والا عتماد علیہا شرک، اور ان پر اعتماد کرنا شرک ہے۔پس جب میں رسولؐ کی رفعت میں یہ کہتا ہوں کہ: **؎ از کلید دین در دنیا کشاد**

تو میرا مطلب اس سے زیادہ کچھ نہیں نبی کریمؐ نے دین کی وساطت سے دنیا میں حصہ لینا سکھایا، خدا تعالیٰ نے مسلم کو ہدایت کی کہ ''لاتنس نصیبک فی الدنیا یعنی دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر۔پھر اس کو حصہ کو حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتایا اور اس کا نام شریعت اسلامیہ کا وہ حصہ جو معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔(۱۰)

مذکورہ بالا بیان یہ واضح کرتا ہے کہ اقبال سچے عاشق رسول ہیں اور اس بات پہ کامل یقین رکھتے ہیں کہ خدا اپنے بندوں سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اس کی عطا کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہوں اور اس کے شکر گزار ہیں۔اصل امتحان یہ ہے کہ ہر حالت میں حلال وحرام کا فرق مدنظر رکھا جائے اور خدا تک پہنچنے کا راستہ جنگلوں میں ڈھونڈنے کی بجائے اپنے نفس کی تربیت سے حاصل کیا جائے۔اقبال اثبات خودی کے معلم ہیں۔انہوں نے اسلام کی ایک بڑی خدمت یہ کی کہ تصوف سے وہ غیر اسلامی عناصر الگ کر دیئے جو اسلام کی حقیقی روح کو دھندلائے دے رہے تھے، لہذا اقبال پہ یہ الزام عائد کرنا کہ وہ تصوف کے خلاف تھے درست نہ ہوگا۔

''یہ بات پایہ ثبوت تک نہیں پہنچی کہ علامہ اقبال تصوف کے مخالف تھے، بالخصوص اس تصوف کے جس کی بنیاد کتاب وسنت پہ اٹھائی گئی ہو یا جس کا ماخذ قرآن حکیم کی تعلیمات اور نبی کریمؐ کے ارشادات اور ان کا اور ان کے صحابہ کرام کا اسوہ حسنہ ہو۔۔البتہ علامہ مرحوم اس تصوف کے ضرور مخالف تھے، جو رہبانیت کی تعلیم دیتا

ہے۔ترک دنیا اور انقطاع من الخلق پہ مبنی اور جس کی تعلیمات حرکت اور جوش پیدا
کرنے کی بجائے جمود وسکون پیدا کرتی ہیں جو گویا بے عملی کا مسلک ہے۔"(۱۱)۔

اقبال کے فلسفہ تصوف کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ان حالات کا جائزہ بھی لیا جائے جن کی وجہ سے اقبال تصوف کی عجمی صورت کی مخالف کا پرچار کرتے ہیں۔ڈاکٹر ابولیث صدیقی نے اقبال کے حوالہ سے واضح کیا کہ اقبال کے مطابق تصوف کا ظہور آٹھویں صدی کے نصف آخر اور نویں صدی کے ابتدائی نصف میں ہوا۔اقبال مغربی مستشرقین کی اس بات کے خلاف ہیں کہ اسلامی تصوف کو غیر اسلامی ماخذ سے اخذ کیا ہوا بتایا جائے ان کے مطابق ایک معلول کے ظہور پذیر ہونے کی تشریح ان تمام عناصر کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جانی چاہیے جو کہ معلول کے ظہور کے لئے سازگار ماحول فراہم کرتے ہیں۔اس حوالہ سے اقبال کا خیال ہے کہ علت و معلول کے حقیقی رشتہ کو سمجھنے کیلئے اسلامی معاشرہ کے اس دور کے خاص سیاسی، سماجی اور ذہنی افکار و حالات کا جائزہ لیا جانا چاہیے اس سلسلہ میں اقبال نے اس جائزہ کے چیدہ نکات اس طرح سے بیان کئے ہیں۔

۱ جس دور میں تصوف کی ابتدا ہوئی، مسلمانوں کے سیاسی حالات انتشار کا شکار تھے۔بنو امیہ کی حکومت کا خاتمہ، زندیقیوں پہ تشدد، ایرانی دین سے انکار کرنے والوں کے لئے سخت سزائیں، خراسان میں نقاب پوش پیغمبر حکم حشم کا ظہور، مامون و امین میں کشمکش اور حصول اقتدار نے مسلمانوں کی سیاسی ساکھ کو بری طرح متاثر کیا۔ایسے ماحول میں سنجیدہ افراد نے بدامنی و انتشار سے بچنے کیلئے ایسی جگہوں میں پناہ لی جہاں وہ سکون سے غور و فکر کر سکیں۔

۲ دوسرا سبب جو ڈاکٹر ابولیث صدیقی اقبال کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ عقلیت کی طرف مسلمانوں کے جھکاؤ نے اعلیٰ عقلی ماخذ سے استفادہ کا میلان پیدا کیا۔

۳ تیسرا سبب اقبال نے فقہی موشگافیوں کو قرار دیا۔ڈاکٹر ابولیث صدیقی نے فلسفہ عجم کے حوالہ سے اپنی کتاب "اقبال اور مسلک تصوف" میں حنفی، شافعی اور مالکی فقہا کے زہد خشک اور حنابلہ کی فقہ، جو آزادی فکر کی سختی سے تردید کرتا تھا، کو تصوف یا صوفیانہ انداز فکر کو تقویت پہنچانے والے عناصر گردانتے ہیں۔

۴ چوتھا سبب علامہ کے نزدیک وہ مذہبی مباحثے اور مناظرے تھے جو مامون کی سرپرستی میں ہوئے تھے اور جن میں معتزلہ اور اشاعرہ پیش پیش رہتے تھے۔علامہ سمجھتے ہیں کہ ان مناظروں کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے مسائل بلند سے بلندتر ہوتے چلے گئے جس سے آپسی اختلافات کو عروج حاصل ہوا۔

۵ پانچواں سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کو مذہبی شغف اور جوش دھیما پڑ گیا تھا عقلیت پرستی، عیش و آرام اور

دولت نے مذہبی اخلاقی معاملات میں انحطاط کی فضا پیدا کردی تھی۔

٦ چھٹا سبب یہ تھا صوفیہ نے عیسائیوں کی زندگی کے عملی نمونہ سے استفادہ کیا بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ عیسائی راہوں سے صوفیہ متاثر ہوئے لہذا ترک دنیا کا رجحان عیسائی راہبروں کے زیر اثر مسلمان صوفیہ کے ہاں داخل ہوا۔اقبال کے نزدیک یہ رجحان روح اسلام کے سراسر منافی ہے۔

اقبال ان چھے اسباب کوتصوف کی بنیاد خیال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر ان چھے اسباب کو سامنے رکھا جائے تو تصوف کے ارتقا کا مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے۔دراصل اقبال اسلامی تصوف تو عجمی اثرات سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اسی لئے ان عناصر کو باہر نکال دینا چاہتے ہیں جو عجمی فکر کر زیر اثر اسلام میں در آئے لیکن اقبال اس حقیقت کا انکار نہیں کرتے کہ اسلام میں تصوف کے بنیادی عقائد کو قبول کرنے لئے بنیاد بہر حال موجود ہے۔خدا کے رضا کا مقصود ہونا اور معرفت خدا تعالی، جیسے تصورات تصوف کے تناور درخت کیلئے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔اقبال اس حوالہ سے لکھتے ہیں۔

> ''ذہن انسانی اپنی ایک مستقل انفرادیت بھی رکھتا ہے اور خود بخود اپنے اندر ایسی صداقتوں کو نمو دے سکتا ہے جن کی صدیوں پہلے دوسرے اذہان نے پیش بینی کی ہو۔کوئی تصور کسی قوم کی روح میں جاگزیں نہیں ہوسکتا، تاوقت کہ وہ ایک لحاظ سے اس قوم کا اپنا تصور نہ ہو۔خارجی موثرات ان تصورات کو گہری غیر شعوری نیند سے بیدار کرسکتے ہیں لیکن وہ کسی عدم محض اس کو وجود میں نہیں لا سکتے''۔(۱۲)

لہذا اس مقام پہ پہنچ کر دو باتیں واضح ہوجاتی ہیں کہ پہلی تو یہ کہ اقبال تصوف کی اس قسم کے خلاف ہیں جو عجمی فکر کی پیداوار ہے اور دوسری یہ کہ اقبال بندہ کی خدا کے ساتھ اتصال یا علم کی کوشش کو مذہب کا لازمی عنصر خیال کرتے ہیں۔اقبال چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنی روحانی قوتوں کو بیدار کریں خواہ اس کے لئے انہیں کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے کیونکہ یہ قوتیں بوسیدہ، خوابیدہ اور کلام ہی کو اقبال ''خودی'' کا نام دیتے ہیں اور اسی کی معرفت کو معرفت الٰہی کا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

اقبال کے دور کے مسلمان پے در پے ناکامیوں کے باعث اپنا قومی تشخص کھوتے جا رہے تھے،مغربی جمہوریت کی ظاہری چکاچوند نے مسلمانوں کی آنکھیں چندھیا رکھی تھیں۔بے عملی، جبریت کے وہی عناصر جن کا اقبال تصوف کے آغاز کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں، وہی عناصر ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہے تھے اقبال کے نظریات دراصل ایک خواب غفلت میں مبتلا قوم کو جھنجھوڑ کر بیدار کرنے کی دردمندانہ کاوش

ہے۔اقبال نے اس مقصد کے حصول کے لئے شاعری کو ذریعہ اظہار بنایا۔مسلمانوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ جس نبیؐ کے وہ اُمتی ہیں، اس نبیؐ کے اسوہ حسنہ میں ان کے لئے نجات کا راستہ چھپا ہوا ہے نیز وحدت الوجود جیسے نظریات کا اسلام سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔اقبال جنگلوں میں بھٹکنے یا خانقاہوں میں مقید ہو کر بیٹھ جانے کو نصب العین یا مقصد حیات قرار نہیں دیتے بلکہ علم و عمل کی لا متناہی جدو جہد پہ زور دیتے ہیں۔

یہ حکمت ملکوتی ، یہ علم لاہوتی

حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور

تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں (۱۳)

اس مقام پر پہنچ کر مختصراً یہ جائزہ بھی لے لیتے ہیں کہ تصوف کے معانی واضح کرنے کے بعد اقبال صوفی کی تعریف کس طرح سے کرتے ہیں۔

جن صفات پہ اقبال زور دیتے ہیں یہ وہی صفات ہیں جن پہ جید صوفیہ کرام نے زور دیا تھا۔

اگر اقبال کو کوئی تصوف ہے تو وہ یہی ہے کہ جس کو وہ صحیح اسلامی تصور سمجھتے ہیں۔صوفی کو اقبال نے ایک علامت یا اشارہ کے ذریعہ سے بھی ادا کیا ہے یہ علامت شاہین کی ہے جس کی خصوصیات مختصراً یہ ہیں۔

۱ پرندوں کا بادشاہ ہے۔

۲ عزلت پسند اور گوشہ نشین ہے۔

۳ پابند مقام نہیں۔آشیانہ نہیں بناتا، پہاڑوں کی بلند چوٹیوں پر گذر اوقات کر لیتا ہے، جہاں تک کسی اور پرندے کی پرواز اور رسائی نہیں۔

۴ تیز نگاہ اور دور بین ہوتا ہے، پرواز میں قوت بھی ہے اور تیزی بھی۔

۵ غیرت منداور خود دار ہوتا ہے۔کسی دوسرے کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا۔

۶ سخت کوش ہوتا ہے۔(۱۴)

یعنی اقبال کی نظر میں صوفی وہ ہے جس کی نگاہ میں تقدیریں بدل دینے کی طاقت ہو۔اسلامی شعار کا پابند اور اپنی زندگی کو اسوہ حسنہ کے مطابق بسر کرے۔اقبال ان صوفیہ کے معترف ہیں جنہوں نے زندگی کے ہر معاملہ

میں قرآن وسنت کو مدنظر رکھا نہ کہ کسی دوسرے مذہب یا قوم سے کوئی تاثر قبول کیا۔اقبال خود کو ایسے صوفیہ کی خاک پا قرار دیتے ہیں اور اپنے حضرات کے پیش نظر وہ یہ سمجھتے ہیں یہ صوفی کے درجہ کو صرف وہی انسان پہنچ سکتا ہے جو بلند عزم، خوداراور باعمل ہو، جو اپنے نفس کی معرفت سے اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے۔اقبال کہتے ہیں کہ بیابانوں میں بھٹکنےاور حقوق وفرائض کو نظر انداز کرنے والا کوئی شخص صوفی ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بتدریج

بندے کو عطا کرتے ہیں چشم نگراں اور

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ

ہر لحظہ ہے سالک زماں اور مکان اور(۱۵)

حوالہ جات

۱ بشیر احمد ڈار، تاریخ تصوف قبل از اسلام، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ مکب روڈ ۱۹۶۲ء ص:۴

۲ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، مقالات، مقالات حکیم جلد دوم (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ مکب روڈ ۱۹۶۹ء ص:۱۳۱

۳ محمد اقبال، ڈاکٹر، اسرار خودی وتصوف، مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی (لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار ۱۹۲۳ء) ص:۱۴۰

۴ محمد اقبال، ڈاکٹر، اسرار خودی وتصوف، مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی، ص:۱۷۳

۵ ایضاً ص:۱۲۷

۷ منظور احمد، اقبال شناسی (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ ۲۰۰۲ء ص:۱۰۱

۸ محمد اقبال۔ ڈاکٹر، بانگ درا، کلید کلیات اقبال مرتبہ احمد رضا (لاہور: ادارہ اہل قلم (لاہور: ادارہ اہل قلم ۱۰/۳ ہما بلاک اقبال ٹاؤن ۲۰۰۵ء) ص:۱۲۲/۶۶

۹ محمد اقبال، ڈاکٹر، اسرار خودی وتصوف، مقالات اقبال مرتبہ سید عبدالواحد معینی۔ص ۲۱۸

۱۰ ایضاً ص ۱۷۲

۱۱ محمد اقبال، ڈاکٹر، فلسفہ عجم، مترجم میر حسن الدین (کراچی نفیس اکیڈمی طبع ششم ۱۹۶۹ء) ص ۱۳۳۔۱۳۲

۱۲ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضرب کلیم، کلید کلیات اقبال مرتبہ احمد رضا ص ۵۴۷

۱۳ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، اقبال اور مسلک تصوف لاہور۔ (اقبال اکادمی پاکستان ۱۹۷۷ء) ص:۵۸۵ تا ۵۸۴

۱۴ محمد اقبال، ڈاکٹر، بال جبریل، کلید کلیات اقبال مرتبہ احمد رضا ص:۴۸۶